محض مادی اور انفرادی فوائد کی طرف قدم بڑھایا ہے اور سوائے چند افراد کے ہم نے اتحاد و ایثار اور اخلاق و روحانیت کی طرف عملاً بہت کم توجہ کی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ زر و زر ہم کو دبائے ہوئے ہیں اور ہم کو بہکا اور پھسلا رہے ہیں۔ غیروں کی غلامی سے ہمارے ذہنوں نے ابھی تک نجات نہیں پائی۔ بلکہ زبان اور لباس اور طور و اطوار وغیرہ میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح ہم ابھی تک غیروں کے حلقہ بگوش ہیں اور ہنوز اپنی ثقافت و شرافت سے گویا شرماتے ہیں۔

کہنے کو ہم اسلام کے کلمہ گو ضرور ہیں لیکن بقول اقبال:

زباں نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ تو خوشی کی بات ہے کہ مسجدیں ویران نہیں ہوئیں۔ لیکن رنج و الم کا مقام یہ ہے کہ مسجدوں میں جانے اور نہ جانے والے اکثر پاکستانی مسلمانوں کے دل ابھی ویران پڑے ہیں۔ شہر ضرور آباد ہیں۔ آبادی واقعی بڑھ رہی ہے۔ اللہ اکبر کے نعروں کی صدائیں برابر سنائی دیتی ہیں۔ لیڈیاں اور جنٹلمین خوب انگریزی بولتے اور پڑھتے اور اس میں بری بھلی تقریریں بھی کرتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ روز و شب یورپ اور امریکہ کی سیر و سیاحت میں مصروف ہیں اور انفرادی طور پر اور وفود کی صورت میں وہ ملک ملک میں کچھ سیکھتے سکھاتے اور کچھ اپنے وطن کی اچھی بری نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ لیکن ادھر اپنے ملک میں مُلّا ان کو برا کہتے ہیں اور وہ ملّاؤں کو برا کہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ بحیثیت مجموعی اچھائی کی طرف نہ اُن کا گروہ راغب ہے نہ اِن کا۔

ہاں لگا ہے کہ اُن میں بھی اور اِن میں بھی چند در چند افراد ایسے نظر آجاتے ہیں جن کو احساسِ زیاں ہے اور جو اپنی کمیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور خال خال ایسے بھی ہیں جن کے دل میں محض اعتراف کی بجائے نیک عمل کی دھن بھی ہے لیکن ان کی تعداد و مقدار اتنی ہے جتنا آٹے میں نمک۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اخبارات کی سرخیوں میں کبھی نہیں ہوتا۔ جو حکومت اور وزرا، امرا اور تجار، اور علما و ادبا کی محفلوں میں شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں اور غریب عوام کا تو پوچھنا ہی کیا — اُن بے چاروں سے اگر لغزشیں بھی ہوں تو ان کا کتنا قصور ہے۔ رستے ہی پھسلوان ہیں اور ناہموار۔ وہ عموماً دن رات اپنی صبح و شام کی روٹی کی فکر میں ہیں یا یہ کہ تن ڈھکنے کو کپڑا مل جائے یا سر چھپانے کو

بڑی بھلی کو ٹھڑی ۔ بڑے بڑوں کو دیکھ کر نیکی کا جذبہ ان میں بھی شاید کم ہوتا جاتا ہے ۔
البتہ دو سال پہلے کا ایک واقعہ ہمیں نہ بھولنا چاہیے جب ہمارے "صلح پسند" ہمسائے نے ہم پر یورش کی تو یہی ہمارے عوام اور ہمارے سپاہی اور ہمارے فوجی افسر تھے جن کی قربانیوں کی وجہ سے ہم تباہی سے بچ نکلے ۔ یعنی قوم میں جوہر موجود ہے ۔
ذرا دیکھو کہ زمانہ کس تیز رفتاری سے چل رہا ہے :

جینے والے نکل گئے ہیں　　　جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

پاکستان سے جو بڑی بڑی امیدیں ہم مسلمانوں کی وابستہ تھیں وہ پچھلے بیس برس میں زیادہ تر ہماری اپنی کوتاہی کی وجہ سے پوری نہیں ہوئیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دشواریوں اور ناکامیوں کے سامنے عجز سے گھٹنے ٹیک دیں اور خود ہی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس بری ساعت کا انتظار کرتے رہیں جب قہر الٰہی ہم کو آلے اور ہم یکسر تباہ و برباد ہو جائیں ۔
پچھلے بیس سال میں ہمارے وطن پر کبھی غفلت کا سناٹا چھایا رہا کبھی یہاں طاقت وروں اور صنعت کاروں اور لفاظی و طراری کے ماہرین اور خود غرض افراد کا شور و غل برپا رہا ۔
پس چہ باید کرد ۔ اگلے بیس برسوں میں کیا کوئی بہتری کی صورت نظر آتی ہے ؟ مایوسی سے مغلوب ہو جانا نہ اچھے مسلمان کا عقیدہ ہے نہ سچے انسان کا کام ۔ انسان گر گر کر سنبھلے ہیں اور قومیں مٹ مٹ کر ابھری ہیں ! ہماری موجودہ صورت حال میں کیا بہتر نہیں کہ ہم کلام پاک کی چند روح پرور آیات کو اپنے دل میں جگہ دیں ۔ لا تقنطوا من رحمت اللہ (اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا) ۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ (بغیر اپنی کوشش کے انسان کچھ نہیں پا سکتا) ۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۔ (اگر تم سچے مومن بن جاؤ تو یقیناً کامیاب ہو گے) ۵

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

پروفیسر محمد سرور

پاکستان میں اسلام

اسلامی علوم کے قدیم مراکز

شاہان مغلیہ سے پہلے اور ان کے عہد حکومت میں ان علاقوں میں جن سے آج مغربی پاکستان عبارت ہے۔ ملتان، ٹھٹھہ، لاہور اور سیالکوٹ وغیرہ بڑے عظیم علمی مراکز تھے، جہاں دور و نزدیک سے لوگ تحصیل علم کے لیے آتے تھے اور ان شہروں کے علما و فضلا اور ان کی درس گاہوں سے فیض حاصل کرتے۔ جب مغل سلطنت کا زوال شروع ہوا تو ایک طرف بیرونی حملوں اور دوسری طرف اندرونی خلفشار سے اس پورے خطے میں بڑی افراتفری پھیل گئی۔ اس سیاسی ہل چل اور معاشرتی اضطراب کا علمی زندگی پر بھی اثر پڑا۔ وہ درس گاہیں ختم ہو گئیں جن سے فیض علمی جاری تھا۔ وہ علما و فضلا نہ رہے جن سے درس و تدریس کی مجالس قائم تھیں۔ برطانوی عہد کے پورے سو سال تک بھی ان علاقوں میں دینی تعلیم کی وہ روایات جو کبھی ملتان، ٹھٹھہ، لاہور اور سیالکوٹ سے وابستہ تھیں، زندہ نہ ہو سکیں اور یہاں کوئی بڑی دینی درس گاہ اور دار العلوم وجود میں نہ آسکا جس کا شمار برعظیم پاک و ہند کے قابل ذکر دینی مراکز میں ہوتا۔

دینی تعلیم کا احیا اور درس گاہوں کا قیام

۱۸۵۷ کی ہمہ گیر تباہی و بربادی کے بعد دینی تعلیم کا جو نئے سرے سے احیا ہوا تو اس کے سارے مراکز ان علاقوں ہی میں بنے جو آج ہندوستان میں ہیں۔ سب سے پہلے دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ اسی کے نمونے پر سہارنپور میں مظاہر العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ پھر ندوۃ العلما کی تحریک چلی جس کے نتیجے میں لکھنؤ میں دار العلوم قائم ہوا۔ دیوبند کی طرز پر لیکن اس سے بہت کم درجے کے برعظیم پاک و ہند میں ہزاروں دینی مدارس وجود میں آئے۔ لیکن ان سب کا مرجع اور قبلۂ مقصود دیوبند ہی رہا۔ دیوبند کا نصاب، اس کے شیوخ اور اس کی روایات

ان سب مدارس کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتے تھے اور یہ اس لیے کہ ان مدارس کے بانی اکثر و بیشتر دارالعلوم دیوبند ہی کے فارغ التحصیل ہوتے تھے۔

اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت

دینی دارالعلوموں اور درس گاہوں کے علاوہ جب دینی و اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت ہوئی تو اس کے مراکز بھی دہلی، دیوبند، لکھنؤ اور اعظم گڑھ وغیرہ تھے۔ بے شک لاہور کو بھی ان مراکز نشر و اشاعت میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں بہ حیثیت مجموعی اس کا دائرۂ کار کچھ محدود ہی رہا۔ پرانی ضرورتوں کو پورا کرنے والا دینی لٹریچر زیادہ تر دیوبند اور دہلی سے شائع ہوا کیا، اور سیرت نبوی، خلفا، صحابہ، تابعین وغیرہ کے حالات اور عام تاریخ اسلامی پر اس مدت میں دارالمصنفین اعظم گڑھ نے جو لٹریچر شائع کیا۔ پشاور سے لے کر مدراس تک شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ مسلم گھرانا ایسا ہوگا جہاں یہ نہ پہنچا ہو۔

کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند کے بعض فارغ التحصیل حضرات نے دہلی میں ندوۃ المصنفین قائم کیا، اور وہاں سے بھی دینی و اسلامی کتابیں شائع ہوئیں۔

مختصراً برعظیم کی آزادی کے بعد جب پاکستان کی اپنی ایک مستقل مملکت وجود میں آئی تو جہاں تک دینی تعلیم کی درس گاہوں اور دارالعلوموں اور دینی و اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا تعلق ہے، گو ہم ان میں بالکل کورے تو نہیں تھے، لیکن مقابلتاً ہندوستان کے مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے۔ اس خطے میں کوئی بڑا دینی دارالعلوم نہ تھا۔ اسی طرح ہندوستان کے تصنیفی و اشاعتی اداروں کے برابر نہ سہی، ان سے کچھ کم درجے کا بھی یہاں کوئی ادارہ کام نہیں کر رہا تھا۔

نئی دینی درس گاہیں

پاکستان کا قیام جمہور مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی شعور کا عملی اظہار تھا۔ چنانچہ تقسیم برعظیم کے وقت پاکستان پر یک بارگی جو مصائب ٹوٹ پڑے تھے، یہ مسلمان عوام کا مذہبی جذبہ ہی تھا جو اس وقت نومولود مملکت کا سہارا بنا اور اس کی وجہ سے پاکستان جان لیوا خطرات سے عہدہ برآ ہو سکا۔ مسلمان ناامید نہ ہوئے اور کمر ہمت باندھ مصائب کا مقابلہ کر سکے۔

یہ زمانہ بڑا نازک تھا، انتقال آبادی کی وجہ سے نظم و نسق ابھی ٹھیک نہیں ہو پایا تھا۔ اس پر